

یہ کس کی فوج ہے؟

قاری عبد الہادی

حال ہی میں پاکستان کی سرزمین پر پے درپے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر صاحبِ فہم شخص کو پاکستان کی افواج اور خفیہ ایجنسیوں کے کردار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پہلے ایبٹ آباد میں مسلمانانِ عالم کی غیرت و حمیت کی علامات، کفارِ عالم کے خلاف جہاد و مزاحمت کے نشان، شیخ اُسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو ان کے بیٹے اور دو ساتھیوں سمیت شہید کیا گیا اور پاکستانی ایجنسیوں نے آپ کے گھر کی خواتین کو گرفتار کر کے خفیہ قید خانوں میں ڈال دیا۔ اس سے چند دن قبل پاکستانی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے ایبٹ آباد ہی میں ایک کاروائی کے دوران انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے جہادی قائد، عمر پاتک کو گرفتار کیا۔ امریکہ و آسٹریلیا کو مطلوب اس مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی اہلیہ کو تمام اہل محلہ کے سامنے برہنہ کر کے فوجی گاڑی میں ڈالا گیا۔ پھر بلوچستان کے علاقے خروٹ آباد میں پولیس اور فوج کے اہلکاروں نے نہتی شیشانی بہنوں کو شہر کی ایک مرکزی شاہراہ پر رسیوں سے باندھا اور گولیوں سے بھون کر شہید کر ڈالا۔ پھر پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے معروف صحافی سلیم شہزاد کو اغواء کیا گیا اور چند روز بعد آئی ایس آئی اہلکاروں نے اسے قتل کر کے منڈی بہاؤ الدین کے علاقے میں اس کی لاش پھینک دی۔ اور اس کے بعد پورے پاکستان نے دہشت و خوف کے عالم میں ٹی وی اسکرینوں پر کراچی کے ایک عام شہری سرفراز شاہ کو رینجرز کے ہاتھوں دن دیہاڑے قتل ہونے کا منظر دیکھا۔ ان واقعات کے میڈیا پر آجانے کے بعد کئی اصحابِ علم و دانش اور تجزیہ نگار و مبصرین نے یوں حیرت کا اظہار کیا گویا فوج کے ہاتھوں ایسے جرائم کا ارتکاب کوئی انہونا امر تھا۔ یقیناً اس خطے، بالخصوص پاکستانی فوج کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس اظہارِ حیرت پر، حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذیل کی سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ تاریخی و دستاویزی

حقائق کی مدد سے اسی حیرت کو دور کرنے کی کوشش کریں جن میں یہ مختلف حضرات مبتلا نظر آرہے ہیں۔

پاکستانی فوج کی قبل از قیام پاکستان تاریخ

اگرچہ خود پاکستان کا قیام عمل میں آئے ابھی محض ۶۴ سال گزرے ہیں، لیکن پاکستانی فوج کی بنیاد اس سے ایک صدی قبل ہی، سن ۱۸۴۹ء میں ڈال دی گئی تھی۔ شاید اسی لئے نہ صرف یہ فوج عمر میں اس ملک سے تقریباً سو سال بڑی ہے، بلکہ عملاً بھی اس ریاست کے ہر شعبے پر سو فیصد حاوی ہے۔ فوج یہاں اصل ہے اور باقی ہر شے اس کی فرع۔ لہذا فوج کی قبل از قیام پاکستان کی صد سالہ تاریخ جاننا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا بعد از قیام پاکستان تاریخ سمجھنا اہم ہے۔

برطانوی ہندوستان کی "صدارتی افواج"

۱۷۵۷ء میں جنگِ پلاسی میں فتح یاب ہونے کے بعد برطانیہ درجہ بدرجہ پورے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا۔ برطانوی قیادت یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ اس نے ہندوستان پر بزورِ قوت قبضہ جمایا ہے اور یہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے بھی اسے قوت کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی بات کا اظہار بمبئی کے ایک برطانوی گورنر نے ان الفاظ میں کیا:

"ہم نے ہندوستان کو تلوار کے زور سے قابو کر رکھا ہے۔ اگر ہم اپنی فوجی برتری برقرار نہ رکھ پائے تو ہمارا اقتدار بہت تیزی سے ختم ہو جائے گا"۔¹

چنانچہ ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ نے ایک بھرپور فوج منظم کرنا شروع کی۔ فوجی قوت کے بل پر کسی قوم کو غلام بنانے کا عمل تو تاریخ میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، لیکن ایسا

¹ Colonel J. Mac Donald, Secretary to Government of Bombay, Military Department 29, June 1875, in Paramilitary Papers, 1877, Vol. 62

کم ہی ہوا ہو گا کہ کسی قوم کو اسی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے غلام بنایا گیا ہو۔ برطانیہ نے اہل ہند کو غلام بنانے کے لئے ایک ایسی فوج تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس کی کمان تو یورپی افسروں کے ہاتھ میں ہو، لیکن جس کی سپاہ سب کی سب ہندوستانیوں پر مشتمل ہوں۔ اس فوج کو برطانیہ نے بتدریج منظم کرتے ہوئے تین "صدارتی افواج" (Presidential armies) کی صورت میں ترتیب دیا۔ یہ تین افواج درج ذیل تھیں:

• بنگال آرمی

• بمبئی آرمی

• مدراس آرمی

مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) پر انگریز کا قبضہ

۱۹ویں صدی کے ابتدائی حصے تک انگریز نے ہندوستان کے مشرقی، جنوبی اور وسطی علاقوں پر اپنا قبضہ نسبتاً مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت لاہور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ سکھوں کی سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں موجودہ نقشے کے اعتبار سے پاکستانی پنجاب، بھارتی پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد کے بندوبستی علاقہ جات اور پنجاب کی سرحد پہ واقع سندھ کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۰ء کے درمیان سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریک مجاہدین نے سکھوں سے مردان، بونیر، پشاور اور کئی ملحقہ علاقے آزاد کر لئے اور وہاں سید صاحب کی قیادت میں ایک باقاعدہ شرعی امارات قائم ہو گئی۔

۱۸۳۱ء میں سید صاحب اور ان کے معتمد رفیق اور وقت کے معروف عالم دین شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالا کوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو وقتی طور پر یہ تحریک کمزور پڑ گئی¹۔ دوسری طرف سن ۱۸۳۹ء میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کی موت کے بعد باہمی

¹ تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول اور دوم

اختلافات کے سبب سکھوں کا اقتدار کمزور ہوا۔ انگریزوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر دو مضبوط حملے کئے اور سکھوں کی باقی ماندہ قوت بھی ختم کر دی۔ یوں ۱۸۴۹ء کے اختتام تک سکھوں کی پوری سلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔



انگریز جہاں ایک طرف پنجاب اور سرحد میں سکھ اقتدار کو ختم کر رہے تھے، وہیں دوسری طرف وہ سندھ اور بلوچستان پر بھی اپنا قبضہ مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ سندھ پر ٹالپور خاندان کے مسلمان امراء کی حکومت تھی، جو پہلے داخلی اختلافات کے سبب کمزور ہوئی اور سندھ کی وسیع سلطنت خیرپور اور میرپور کی دو علیحدہ حکومتوں میں بٹ گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں میانہ کے مقام پر شدید

جنگ کے بعد امیر ان سندھ کو شکست دی اور ساحل سمندر سمیت سندھ کا بیشتر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔¹

نیز ۱۸۳۹ء تک انگریزوں نے قلات پر بھی قبضہ کر لیا اور ۱۸۴۲ء میں وہاں پولیٹیکل ایجنٹ کا نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بلوچستان کے دیگر علاقوں پر بھی وہ اپنی گرفت مستحکم کرتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔² انگریزوں نے ان عسکری فتوحات میں 'بنگل آرمی' اور 'مدراس آرمی' کو استعمال کیا اور کامیابی کے بعد مغربی ہندوستان میں زیادہ تر بنگال آرمی کے افسروں سپاہی تعینات کئے گئے۔³

”فرنٹیئر فورس“ کا قیام

پنجاب اور سرحد کے شہری علاقوں پر قبضے کے بعد انگریزوں کو پہلا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اپنی مغربی سرحد کو کیسے محفوظ بنایا جائے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے وقتی دھچکے کے بعد تحریک مجاہدین آہستہ آہستہ دوبارہ منظم ہو رہی تھی، یہاں تک کہ ۱۸۴۵-۴۶ء میں بالا کوٹ، گڑھی حبیب اللہ، مانسہرہ اور مظفر آباد کے علاقوں پر محیط ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو چکی تھی، جس کے امیر خطہ بنگال سے تعلق رکھنے والے مولانا عنایت علی عظیم آبادی تھے۔⁴ ان مجاہدین سے نمٹنے اور پشاور، مردان، کوہاٹ اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر قبائلی مسلمانوں اور مجاہد دستوں کے حملے روکنے کے لئے ۱۸۴۹ء میں انگریز نے ایک نئی قوت، ”فرنٹیئر فورس“ (Punjab Irregular Frontier Force) قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ”فرنٹیئر فورس“ کی دس رجمنٹیں منظم کی گئیں، جنہیں قبائلی علاقہ

¹ تاریخ دعوت و عزیمت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول، ص ۷۰

² انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سافٹ ویئر ۱۰

³ (دی گیریزن سٹیٹ The Garrison State; The Government, Military & Society in Colonial

Punjab, (1849-1947, by Tan Tai Yong; page 39.

⁴ موج کوثر، از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۵۱

جات کی سرحد کے ساتھ ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان، کوہاٹ، بنوں اور پشاور میں متعین کیا گیا۔ ان دس رجمنٹوں میں سے پانچ پیادہ اور پانچ سوار رجمنٹیں تھیں۔ ہر رجمنٹ کی اعلیٰ کمان چار یورپی افسران کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جن کے تحت سولہ (۱۶) مقامی افسر اور نو سو (۹۰۰) مقامی سپاہی کام کرتے تھے۔ مقامی سپاہیوں میں غالب اکثریت کا تعلق مقبوضہ علاقوں کی پشتون اقوام سے تھا، جبکہ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمان، سکھ اور ہندو بھی نسبتاً کم تعداد میں موجود تھے۔¹ "فرنٹیئر فورس" کا قیام ہی دراصل پاکستانی فوج کا غیر رسمی نقطہ آغاز ہے۔ یہ "فرنٹیئر فورس" رجمنٹ آج بھی پاکستانی فوج کا جزو ہے اور اس کا نام تک تبدیل کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، تاکہ اس 'روشن تاریخ' سے رشتہ برقرار رہ سکے۔ فوج میں اس رجمنٹ کو بالا اختصار "Piffers" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پاکستانی بری فوج کے دو سابقہ سربراہ جنرل موسیٰ خان اور جنرل عبدالوحید کا کڑکا تعلق اسی رجمنٹ سے تھا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قبل از قیام پاکستان اور بعد از قیام پاکستان کی افواج میں محض یہ اسمی اشتراک ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی پاکستانی فوج اور ایف سی، آج قبائلی علاقہ جات اور سوات میں انہی مقاصد کو پورا کرنے میں تن دہی سے مصروف ہے جن کے حصول کی خاطر انگریز نے تقریباً ایک سو ساٹھ سال قبل "فرنٹیئر فورس" تشکیل دی تھی۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ اسی رجمنٹ کے 'جوانوں' نے ۱۹۹۳ء میں صومالیہ² کے مسلمانوں اور وہاں موجود شیخ اُسامہ رحمہ اللہ کے مجاہد ساتھیوں کے خلاف لڑائی میں بھی اپنی بھرپور خدمات پیش کی تھیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!

1857ء کے جہاد (کو کچلنے) میں پاکستانی فوج کی رجمنٹوں کا کردار³

برصغیر کا کوئی بھی باحمیت مسلمان انگریز کی غلامی تلے جینے پر راضی نہیں تھا۔ پھر انگریزوں کی عیسائیت پھیلانے کی مہمات اور مقامی آبادی پر وحشیانہ مظالم دلوں میں مزید نفرتیں بھر رہے

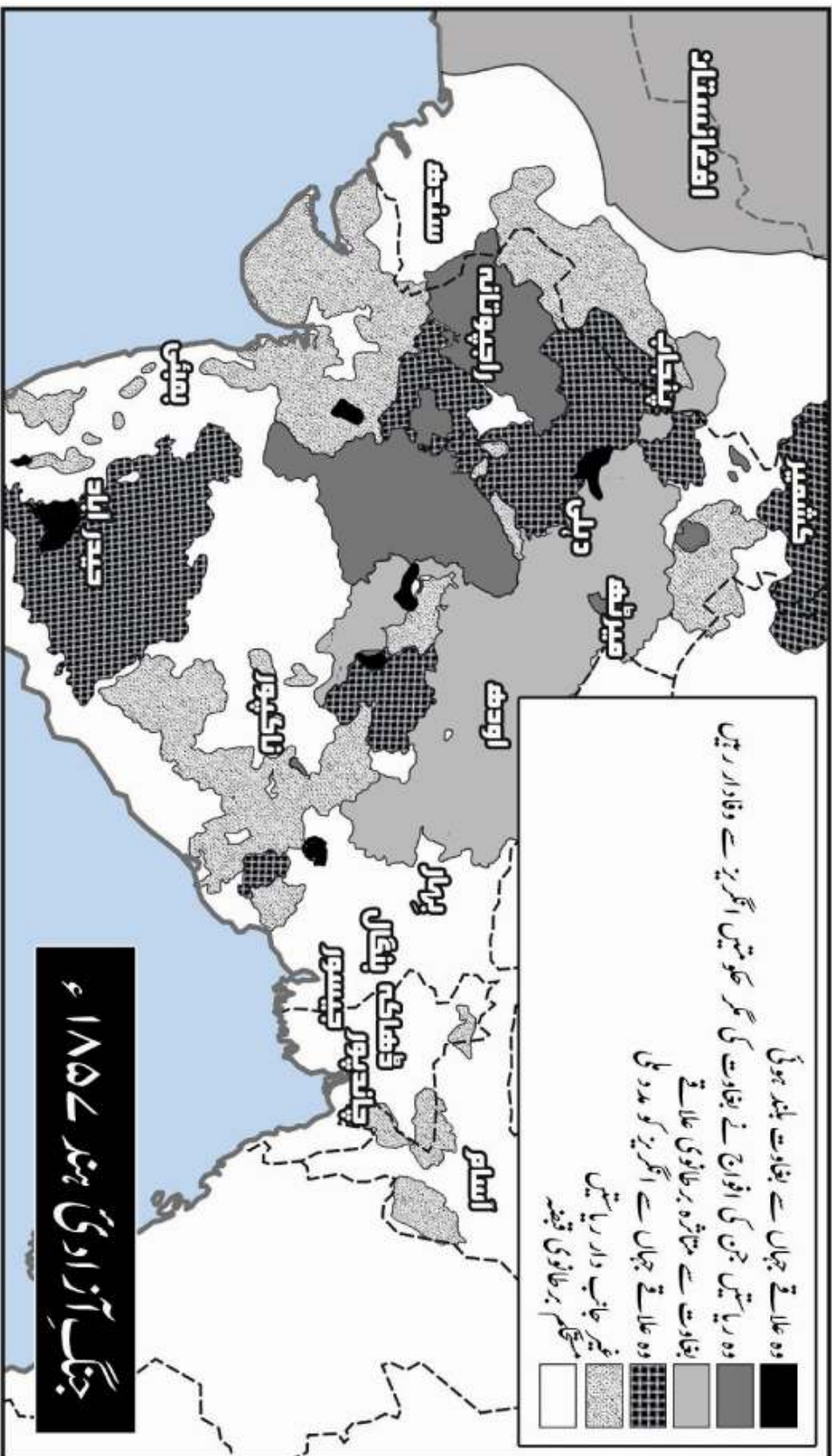
¹ دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۳۷

² 'We are Soldiers', a documentary film series produced by DAWN News Channel.

³ دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ 40 تا 45، عنوان: پنجاب اور 1857ء کی بغاوت

تھے۔ اسی جذبہ نفرت کو تحریک مجاہدین سے وابستہ علمائے کرام نے درست سمت دی اور انگریزوں کی فوج میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بغاوت پر ابھارا۔ ایک طرف بنگال میں مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی رحمہما اللہ کے شاگردوں اور معتقدین نے فوجی حلقوں میں خصوصی محنت کی¹، تو دوسری طرف مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ جیسے نمایاں علمائے وقت بھی اپنے متبعین سمیت میدانِ جہاد میں اتر آئے۔ بالآخر 10 مئی 1857ء کو میرٹھ میں بنگال آرمی کی دو پیادہ رجمنٹوں اور ایک سوار رجمنٹوں میں بغاوت پھوٹ پڑی۔

¹ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: 254 (انگریزوں کی فوج میں مجاہدین کا تداخل)



مقامی فوجیوں نے اپنے یورپی افسران کو قتل کر کے میرٹھ اور قریبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دہلی کے بڑے حصے سے انگریز کو بے دخل کر کے بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بااختیار بادشاہ بنا دیا۔ بغاوت کی اس آگ نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے وسطی و شمالی ہندوستان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

یہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو پیش آنے والا سب سے بڑا خطرہ تھا۔ برطانوی قیادت ایک کٹھن صورت حال سے دوچار تھی۔ ایک طرف شمالی اور وسطی ہندوستان پر برطانوی گرفت عملاً ختم ہو چکی تھی، تو دوسری طرف بغاوت کی یہ لہر پنجاب، سرحد، اور سندھ میں موجود 'بنگال آرمی' تک پھیل جانے کا خدشہ بھی قوی تھا۔ ایسے میں برطانوی فوجی قیادت نے کچھ فوری اقدامات اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے پنجاب اور سرحد کو محفوظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب و سرحد میں موجود یورپی افسروں کی کل تعداد دس ہزار تین سو چھیسی (10,326) تھی۔ ان یورپی افسروں نے 'فرنٹیئر فورس' کے تیرہ ہزار چار سو تیس (13,430) مقامی سپاہیوں کو ساتھ لیتے ہوئے پہلے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں میں موجود تمام بھاری اسلحہ اور فوجی ذخیرہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد اس خطے میں تعینات 'بنگال آرمی' کے تمام غیر یورپی فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے گئے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق 'بنگال' اور اس کے قریبی علاقوں سے تھا۔ یوں فرنٹیئر فورس کی خدمات بروئے کار لاتے ہوئے امرتسر، لاہور، ملتان اور جہلم میں متعین کل تیرہ ہزار (13,000) فوجیوں سے ہتھیار واپس لینے کا عمل پرامن طریقے سے مکمل کر لیا گیا۔

مغربی ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد برطانوی قیادت نے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں موجود فوج کی مدد کے لئے پنجاب سے کمک روانہ کی، جو کہ زیادہ تر یورپی سپاہی پر مشتمل تھی۔ مگر دہلی کی فوج کے قائد جنرل آر تھرولسن نے یہ کہتے ہوئے مزید کمک طلب کی کہ: اگر ایسا نہ کیا گیا تو دہلی واپس لینا تو درکنار، خود اپنا دفاع کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس نازک اور تاریخی موقع پر، جب پورے ہندوستان کا مستقبل ایک اہم دور ہے پر کھڑا تھا اور ہندوستانی مسلمان انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہے تھے؛ برطانیہ نے اس مبارک جہادی تحریک کو کچلنے کے

'فاتح فوج' مسلمانوں کے گھروں میں موجود تجارتی مال، سونا چاندی، نقدی، کتابیں اور گھریلو سامان، حتیٰ کہ چارپائیاں تک اٹھا کر ساتھ لے گئی۔¹ الغرض، ظلم کا ہر ممکنہ حربہ استعمال کیا گیا تاکہ مسلمان دوبارہ کبھی جہاد کا نام لینے کی جرأت نہ کریں۔

1857ء کی جہادی تحریک کو کچلنے میں مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) کی رجمنٹوں نے جو مکروہ کردار ادا کیا، وہ برطانوی قیادت کے لئے بھی خوشگوار طور پر حیران کن تھا۔ ایک معروف انگریز مصنف نے اس زمانے میں لکھا کہ:

"سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ 'عذر' کے دوران اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ انگریزوں کی جنگ ہندوستانیوں کے خلاف ہے، مگر اس جنگ کو برقرار رکھنے اور اس کو مدد پہنچانے کے ذمہ دار بھی دیسی لوگ ہی تھے..... جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اسے بڑی تندہی اور وفاداری سے سرانجام دیتے۔ گویا کہ ہمارے اور ان کے درمیان کچھ خصامت اور جدائی نہیں اور نہ ہمارے اور ان کے مفادات جدا ہیں..... اگر یہ دیسی مزدور نہ ہوتے تو نہ ہماری فوج کو کھانا ملتا، نہ ہمارے گھوڑوں کو چارہ مہیا ہوتا، نہ ہماری توپوں میں گولے ڈالے جاسکتے اور نہ ہی ہمارے بھاری اسلحے کو ایک مقام سے دوسری پر منتقل کیا جاسکتا۔ اور تو اور، ہم اپنے مردوں اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے کے قابل بھی نہ ہوتے۔ مگر ہمارے یہ دیسی ملازم ہر حال میں ہمارے وفادار رہے اور صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چمٹے رہے اور انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنی بے غیرتی کی بات ہے!"²

¹ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: 468

² سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: 362 (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page 455-454)

چنانچہ برطانوی فوج نے جنگ کے بعد بھی ان وفادار فوجیوں کو نوکری پر بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ نیز بنگالی فوجیوں کے باغیانہ رجحانات دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ 'بنگلہ آرمی' میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کے کا تناسب بتدریج بڑھایا جائے گا اور بنگالی فوجیوں کا تناسب بتدریج کم کیا جائے گا۔ یہ پہلی بار تھا کہ مغربی ہندوستان کے لوگوں کو فرنٹیئر فورس (جو کہ ایک نیم فوجی فورس تھی) سے آگے بڑھ کر برطانیہ کی باقاعدہ فوج میں بھی شامل کیا جا رہا تھا۔ بھرتی کا یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا، یہاں تک کہ سن 1870ء تک بنگال آرمی میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بڑھ کر 35 فیصد تک پہنچ گیا۔¹ اس کے علاوہ، ایک قلیل سی تعداد میں بلوچ قومیت کے لوگ بھی فوج میں شامل ہوئے۔

مغربی ہندوستان سے بھرتی کی جانے والی یہ رجمنٹیں بھی آج تک پاکستانی فوج میں انہی ناموں کے ساتھ برقرار ہیں جو 1857ء کے جہاد کے وقت انہیں انگریزوں نے عطا کئے تھے!

افغانستان کی سمت سے خطرات اور پاکستانی فوج کی تاسیس اول²

1848ء میں برطانیہ نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے وفادار سردار دوست محمد خان کو کابل کا حاکم مقرر کیا۔ 1863ء میں دوست محمد خان کی وفات کے بعد برطانیہ افغان تعلقات بتدریج کشیدہ ہوتے چلے گئے اور افغانستان کا نیا امیر برطانیہ سے سرکش ہو کر روس سے قربتیں بڑھانے لگا۔ اسی پس منظر میں سن 1878ء میں دوسری برطانیہ افغان جنگ کا آغاز ہوا اور برطانیہ نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد یعقوب خان نامی آلہ کار کو کابل کا نیا امیر مقرر کیا۔ افغانستان کے پہاڑوں سے ٹکرانے کے بعد برطانیہ نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ افغان قوم کو بزورِ قوت غلام بنانا ممکن ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے سامنے بنیادی ہدف بس یہ رکھا کہ افغانستان میں ایک ایسی حکومت موجود ہو جو اس کی مغربی سرحدات

¹ دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ 55

² دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ 57 تا 71

کے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بنے۔ نیز برطانیہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ افغانستان اب اس کے اور روس کے درمیان سیاسی رسہ کشی کا ایک مستقل میدان بنا رہے گا۔ اسی لئے اس نے:

- ہندوستان کی مغربی سرحدات کی حفاظت کرنے،
- روسی خطرے سے نمٹنے،
- اور انگریز کے نمک خوار کرزئی نمائندگانوں کے خلاف افغان عوام کی ممکنہ بغاوتیں کچلنے کی غرض سے مغربی ہندوستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں اپنی فوج کو مزید مضبوط و منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ معروف برطانوی جرنیل لارڈ روبرٹس، جو پہلے فرنٹیر فورس کا سربراہ رہا، پھر افغانستان پر حملے کی قیادت کی اور 1885ء میں بنگال آرمی کا سربراہ مقرر کیا گیا، اور برطانوی جرنیل جنرل جورج میک مَن (Mac Munn)؛ دونوں ہی اس بات کے پر زور داعی تھے کہ مذکورہ بالا اہداف حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ برطانوی قابض فوج برصغیر کی بہترین جنگجو نسلوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ برطانوی جرنیلوں نے برصغیر کی مختلف اقوام کے ساتھ اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ مخصوص علاقوں میں پائی جانے والی مخصوص اقوام کو "جنگجو نسلیں" (martial races) قرار دیا۔ ان اقوام کو محض ان کی جنگی صلاحیتوں کے سبب نہیں چنا گیا، بلکہ ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور ان کی معاشی تنگ دستی وغیرہ جیسے عوامل بھی مد نظر رکھے گئے۔ برطانیہ کی چنیدہ جنگجو نسلوں والے ان علاقوں میں سب سے نمایاں اضلاع درج ذیل تھے:

• ضلع جہلم

• ضلع راولپنڈی

• ضلع اٹک

• ضلع کوہاٹ

• ضلع بونیر¹



۱۸۸۵ء میں جب جنرل روبرٹس نے بنگال آرمی کی قیادت سنبھالی تو نہ صف بنگال آرمی، بلکہ مدراس اور بمبئی آرمی میں بھی غیر جنگجو نسلوں کی جگہ ان وفادار جنگجو نسلوں کو بھرتی کرنے کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ جنرل روبرٹس کے بعد لارڈ کچنر (Kitchener) نے بھی جاری رکھا۔ نیز اس نے ہندوستان میں موجود پوری برطانوی فوج کی تنظیم نو بھی کی۔ کچنر نے ۱۹۰۳ء تک مدراس، بنگال اور بمبئی کی صدارتی افواج کو باہم ضم کر کے ایک مرکزی کمان کے تابع کر دیا۔ پھر اس "شاہی ہندی فوج" (Royal Indian Army) کو چار علاقائی کمانوں میں تقسیم کیا؛ یعنی بنگال، پنجاب (جس کے تحت فرنٹیئر فورس بھی شامل تھی)، مدراس اور بمبئی کی کمان۔ چونکہ یہ ساری تبدیلیاں افغانستان اور

¹ "جنگجو نسلوں" (martial races) کا خرافاتی فلسفہ خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جس کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے سنگاپور یونیورسٹی کے پروفیسر ٹان ٹائی یونگ کی معروف کتاب: 'دی گیریزن سٹیٹ' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

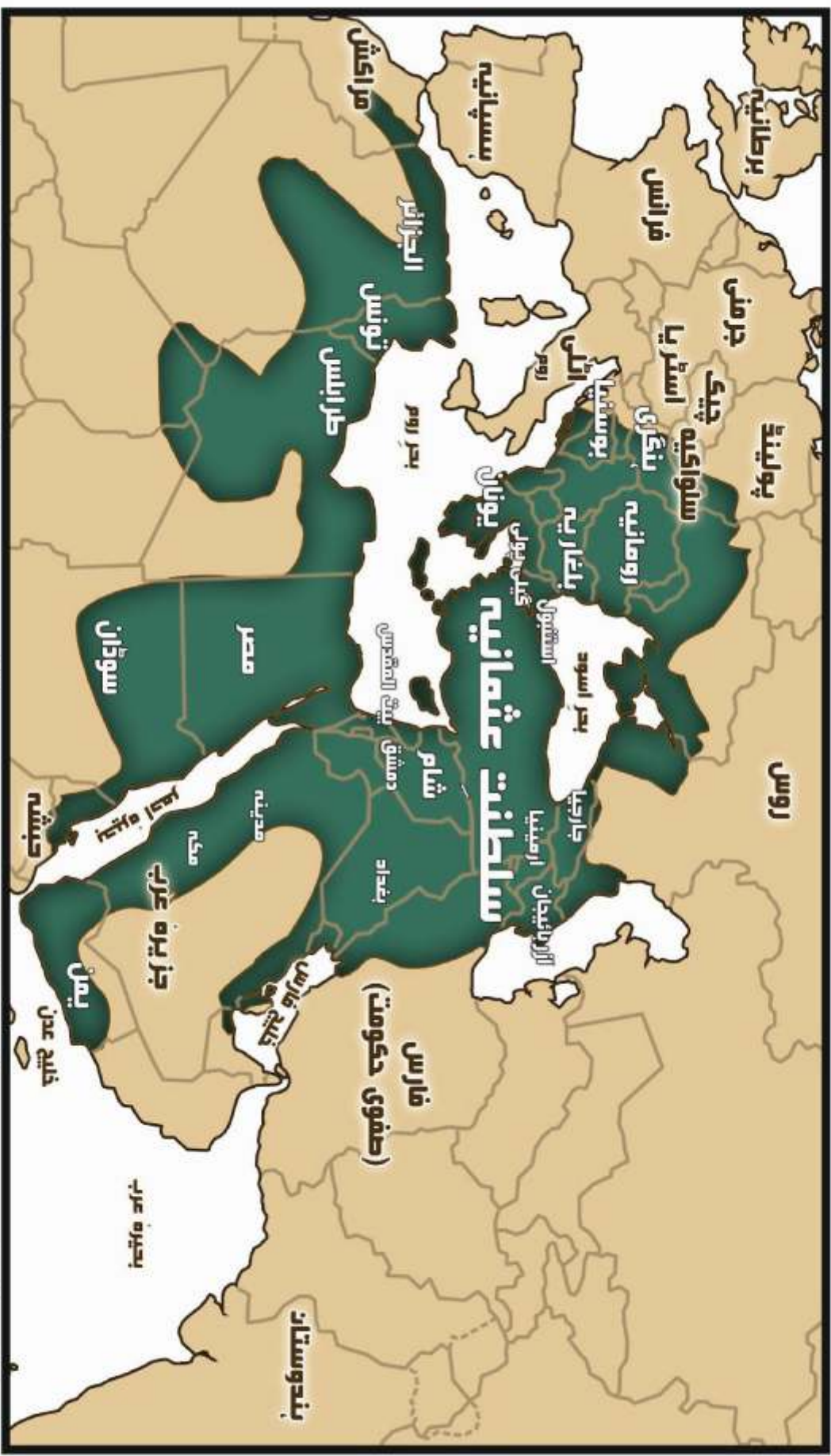
روس سے درپیش خطرات کے تناظر میں کی گئی تھیں، اس لئے 'پنجاب کی فوجی کمان' افغانستان کے سب سے قریب واقع ہونے کے سبب مرکزی اہمیت اختیار کر گئی۔ نیز مغربی ہندوستان کے چار اہم علاقوں: پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر گرفت مضبوط رکھنا بھی اسی کمان کے ذمے لگا۔ پھر اس کی اہمیت کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ سن 1900ء تک پورے ہندوستان میں پھیلی شاہی ہندی فوج کی آدھی سے زائد (50.6 فیصد) نفری وہ 'جنگجو نسلیں' فراہم کر رہی تھیں، جن کی اکثریت پنجاب و سرحد کے علاقوں سے تعلق رکھتی تھی۔ قابض برطانوی افواج کی یہی 'پنجاب کی فوجی کمان'، درحقیقت آج کی پاکستانی فوج کا دل ہے۔ پس اس کمان کے باقاعدہ قیام کو پاکستانی فوج کی تاسیس اول اور لارڈ کچنر کو پاکستانی فوج کا مؤسس اول کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہوگا۔

یہ پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا کہ (80ء کی دہائی میں) پاکستانی فوج نے اگر روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین کی کوئی مدد کی، توہ کسی دینی سوچ سے زیادہ اسی برطانوی سوچ کا مظہر تھی جو روس کو اپنے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتی تھی۔¹ اسی طرح اگر پاکستانی فوج آج افغانستان کی طالبان تحریک کو کوئی مدد فراہم کرے تو اس کا سبب بھی یہ نہیں ہوگا کہ فوج کی قیادت شرعی نظام کو غالب دیکھنے کے لئے بے چین ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ فوجی قیادت سب سے پہلے اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت نافذ کرتی۔ یہ تو دراصل اسی برطانوی سوچ کا تسلسل ہے کہ کابل میں ایک ایسی دوست حکومت ہونی چاہیے جس کے سبب اس خطے کی مغربی سرحدات کو کوئی خطرہ درپیش نہ رہے۔ نیز اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کی فوجی قیادت نے طالبان سے رشتہ توڑ کر امریکہ کا ساتھ دینے کا جو فیصلہ کیا، اسے بھی ہرگز "یوٹرن" سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ انگریز نے تو یہ فوج بنائی ہی اس لئے تھی کہ اگر افغانستان کی حکومت اس کے اشاروں پر چلنے سے انکار کر دے، تو اس پر حملہ کر کے اس کی جگہ کوئی کرزئی نمائندگی کا حکم بنا دیا جائے۔

¹ یہ بات خارج از امکان نہیں کہ انفرادی سطح پر کچھ فوجیوں نے دینی جذبے سے افغان مجاہدین کی معاونت کی ہو، لیکن فوج نے بحیثیت ادارہ جو پالیسی اپنائی وہ اللہ کے کلمے کو سر بلند کرنے کی خاطر نہیں تھی۔ وہ تو دنیاوی مفادات پر مبنی، برطانوی پالیسی کا تسلسل تھی۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط میں پاکستانی فوج کا کردار

سن 1914ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوتا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ نے اس جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں اسے بیک وقت برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی اور یونان سمیت کئی یورپی ممالک کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخِ اسلامی کے اس نازک موڑ پر جب مادی قوت میں کہیں برتر صلیبی افواج پوری شدت کے ساتھ عالمِ اسلام کے قلب پر حملہ آور تھیں؛ ہندوستان میں بالکل متضاد موقف کے دو واضح گروہ نظر آرہے تھے۔ پہلا گروہ ان علمائے کرام، مجاہدین اور عوام المسلمین کا تھا جو خلافت بچانے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر تیار تھے اور دعوتی، عسکری، سیاسی، ہر محاذ پر دفاعِ خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ اسی گروہ کی ایک نمائندہ شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ تھے جو سرحدی علاقہ جات میں موجود تحریکِ مجاہدین کے عناصر کے ساتھ مل کر ایک بھرپور عسکری تحریک برپا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ بلاخر برطانیہ کے خلاف ساش کے الزام میں حجاز سے گرفتار کیے گئے اور جزائرِ مالٹا (اس وقت کے گوانتانامو) میں قید کر دیئے گئے۔



نقشہ میں علاقوں کے قدیم نام استعمال کئے گئے ہیں

جدید ریاستی سرحدات

سلطنت عثمانیہ (۱۶۸۳ء سے ۱۶۹۹ء کے درمیان)

ایک طرف سرفروشی و قربانی کی یہ تاریخ رقم ہو رہی تھی، تو دوسری طرف وہ فوجی و جاگیر دار طبقہ تھا جو خلافت گرانے اور سلطنتِ برطانیہ کا دفاع کرنے کے لئے اپنی تمام تر خدمات پیش کر رہا تھا۔ ستمبر 1914ء سے نومبر 1918ء تک ہندوستان کے 15 لاکھ فوجی، نیم فوجی اور غیر فوجی افراد یورپ، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف محاذوں پر برطانوی کمان تلے جنگ میں شریک ہوئے۔ اس پورے عرصے میں تقریباً 7 لاکھ نئے فوجی پورے ہندوستان سے بھرتی کئے گئے، جن میں سے 60 فیصد پنجاب کی فوجی کمان نے فراہم کئے۔

اس بد بخت فوج کے سپاہیوں کو مصر میں نہر سوزی کی حفاظت پر تعینات کیا گیا جہاں انہوں نے جنوری 1915ء میں عثمانی فوج کا ایک مضبوط حملہ پسپا کر کے برطانیہ کی رسد کے اس اہم ترین رستے کی حفاظت کی۔ انہی کو فارس میں موجود تیل کے کنوؤں کو عثمانی فوج کے حملوں سے محفوظ بنانے کا کام سونپا گیا۔ پھر جب برطانوی جرنیل ٹینلے موڈ نے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار (1,66,000) فوجیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ فروری 1917ء میں بغداد کی سمت پیش قدمی شروع کی تو اس کے لشکر کی بھی دو تہائی تعداد کا تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔ 11 مارچ 1917ء تک ان وفادار فوجیوں کی مدد سے برطانیہ نے بغداد پر قبضہ مکمل کر لیا۔ پھر اسی فوج کے سہارے جنرل ولیم مارشل (William Marshal) نے اکتوبر 1918ء میں تیل کے وسیع ذخائر کے حامل شہر موصل پر قبضہ کیا۔ پھر جب برطانیہ کی صلیبی فوج نے سرزمینِ انبیاء فلسطین کو صدیوں بعد مسلمانوں سے چھینا اور وہاں صہیونی اسرائیلی ریاست کی بنیاد ڈالی، تو اس مکروہ فوجی مہم میں بھی شاہی ہندی فوج پوری طرح شریک رہی۔ بد بخت برطانوی جرنیل جنرل ایلن بی، جس نے فلسطین میں داخلے کے بعد صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر لات مار کر انہیں حقارت سے مخاطب کیا تھا، اس بد بخت کی قیادت میں ستمبر 1917ء میں غزہ اور دسمبر 1917ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے والی فوج کا بڑا حصہ ہندوستان سے بھیجی گئی رجمنٹوں پر مشتمل تھا، وہل من عار بعد هذا العار!

شاہی ہندی فوج نے ہر محاذ پر کفار کے لئے 'قربانیاں' دیں۔ میرٹھ اور لاہور کی ایک ایک پیادہ ڈویژن کو ڈویژن جرمن فوج کے ہاتھوں ماری گئی۔ اپریل 1915ء کی ایک رات میں زہریلی گیس پھینکے جانے سے لاہور ڈویژن کے چار ہزار کے قریب فوجی مردار ہوئے۔ اسی طرح ترکی کے تاریخی و عسکری اہمیت کے حامل جزیرہ نما 'گیلی پولی' پر قبضہ کرنے کی ناکام مہم میں بھی بہت سے ہندوستانی فوجی جہنم واصل ہوئے۔¹ 59 سندھ رائلٹنز کے حوالدار عبدالرحمان نے 1915ء میں یورپ سے ہندوستان میں موجود اپنے ایک فوجی دوست نائیک راج ولی خان کو خط لکھا، جو 21 ویں پنجاب رجمنٹ 'سے تعلق رکھتا تھا اور ژوب (بلوچستان) میں تعینات تھا۔ یہ خط اس بات کو بخوبی واضح کرتا ہے کہ یہ کرائے کے فوجی 'فی سبیل الطاغوت' کیسی سخت 'ڈیوٹی' دے رہے تھے:

"خدا کا واسطہ ہے! یورپ کی اس جنگ میں شریک ہونے ہر گز مت آنا! مت آنا! مت آنا! مجھے خط لکھ کر بتاؤ کہ تمہیں یا تمہاری رجمنٹ والوں کو یہاں بھیجا تو نہیں جا رہا۔ میں بہت پریشان ہوں، میرے بھائی یعقوب کو بھی کہہ دو کہ خدا کا واسطہ ہے! اپنا نام مت لکھو! اگر تمہارے کوئی رشتہ دار ایسا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کو بھی میری یہی نصیحت ہوگی کہ ہر گز بھرتی نہ ہوں..... تو پیس، مشین گنیں اور بم یہاں یوں برس رہے ہیں گویا مون سون کی بارش ہو۔ ہم میں سے جو لوگ زندہ بچے ہیں ان کی تعداد ہانڈی میں باقی رہ جانے والے چند دانوں سے زیادہ نہیں۔ میری کمپنی میں صرف دس لوگ باقی بچے ہیں اور پوری رجمنٹ میں صرف دو سو"۔²

یقیناً شاہی ہندی فوج کی ان غیر معمولی 'قربانیوں' کے بغیر برطانیہ اور اس کے اتحادی خلافت عثمانیہ کو گرانے اور جرمنی کو شکست دینے میں ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

¹ Documentary Film: 'Blood & Oil, The Middle East in World War I', produced by: INECOM Entertainment, Producer: Marty Callaghan.

² مزید دیکھئے: دی گیرین سٹیٹ، صفحہ 100-101

دوسری جنگِ عظیم میں پاکستانی فوج کا کردار

دوسری جنگِ عظیم دراصل پہلی جنگِ عظیم ہی کا تسلسل تھی، البتہ اس بار خلافتِ عثمانیہ دنیا کے نقشے پر موجود نہیں تھی۔ جنگ میں اتحادی افواج کا بنیادی مقصد جرمنی کی فتوحات کو روکنا تھا، جو ہٹلر کی قیادت تلے منظم ہو کر یورپ سے پہلی جنگِ عظیم کی شکست کا بدلہ لے رہا تھا۔ ہٹلر کی افواج نے دیکھتے ہی دیکھتے پولینڈ، چیکو سلواکیہ، ہالینڈ، ڈنمارک، آسٹریلیا اور ہنگری پر زیادہ مزاحمت جھیلے بغیر ہی قبضہ کر لیا۔ اس نازک صورتِ حال میں، جب پورا یورپ ہی جرمنی کے قبضے میں چلے جانے کا اندیشہ تھا، برطانیہ نے ایک بار پھر شاہی ہندی فوج کی خدمات لینے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستانی فوجیوں نے بھی 'فرض' کی اس پکار پر لبیک کہا اور 1945ء تک صرف مغربی ہندوستان سے اس جنگ میں شرکت کے لئے آٹھ (8) لاکھ نئے فوجی بھرتی ہوئے۔ نیز پورے ہندوستان سے اس جنگ میں شریک ہونے والے فوجی اور غیر فوجی افراد کی ایک تہائی تعداد 'پنجاب کی فوجی کمان' نے فراہم کی۔¹

جنگِ عظیم اول و دوم میں شاہی ہندی فوج کی اسی غیر معمولی کارکردگی نے خود برطانوی فوجی قیادت کو بھی حیران کر دیا اور یہ بات ان کے یہاں ایک مسلم حیثیت اختیار کر گئی کہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد فوج ملنا ناممکن ہے۔ تبھی تو پاکستانی فوج کی تاریخ پر لکھنے والے معروف مصنف و تاریخ دان سٹیفن پی کوہن نے لکھا ہے کہ:

"جنوبی ایشیا کے سلامتی معاملات سے منسلک تقریباً تمام برطانوی فوجی جرنیل تقسیم ہند کے تصور سے ناخوش تھے..... ان کا خیال تھا کہ قدیم ہندوستانی فوج، جو تقریباً دو سو سال سے موجود تھی، دو عظیم جنگوں اور بہت سی چھوٹی لڑائیوں میں اپنی افادیت ثابت کر چکی ہے (اس لئے اس سے دستبردار ہونا سراسر نقصان کا سودا ہے)"²

¹ دی گریڈن سٹیٹ، صفحہ 281 اور صفحہ 301

² سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: 362 (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page 454-455)

ہندوستانی فوجی کس چیز کی خاطر لڑ رہے تھے؟

ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم، دونوں میں ہندوستانی فوجی نہ تو کسی دینی غیرت یا قومی حمیت کے سبب شریک ہوئے تھے، نہ ہی وہ جذبہء جہاد یا شوقِ شہادت سے بے قرار ہو کر میدان میں اترے تھے۔ ان کے سامنے بنیادی محرک بعینہ وہی تھا جس نے انہیں 1857ء میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارا تھا؛ اور جس کا تذکرہ ایک انگریز مصنف نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

"صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چمٹے رہے!"¹

1857ء کے جہاد کو کچل دینے کے بعد انگریزوں نے جہاد سے لاطعلق اور انگریزی سرکار سے وفادار رہنے والے افراد میں بڑی بڑی زمینیں تقسیم کی تھیں۔ اس کے بعد سے انگریز کا مستقل دستور چلا آ رہا تھا کہ وہ ہر سال چند منتخب فوجی افسران کو ان کی نمایاں کارکردگی کی بناء پر پانچ، پانچ سو ایکڑ زمین عطا کرتا تھا۔ بھر کچھ عرصے بعد انگریزی حکومت نے چناب، جہلم، لوئر باری دو آب اور نیلم بار کے زرخیز علاقوں میں چار وسیع نہری کالونیاں بنائیں جن کی زمینیں سالہا سال برطانوی سرکار سے وفادار فوجی و غیر فوجی طبقات میں تقسیم کی جاتی رہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس منصوبے کے تحت کل پانچ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی گئی۔ یہ زمینیں بالعموم 99 سال کے لئے اجارے (lease) پر دی جاتی تھیں۔ زمین لینے والے فوجی کو حکومت سے یہ معاہدہ کرنا پڑتا تھا کہ:

"مجھ پر لازم ہے کہ میں ابھی اور اس کے بعد بھی ہمیشہ وفادار رویے کا مظاہرہ کروں اور ہر مصیبت اور بد نظمی کے موقع پر حکومت اور اس کے افسروں کی عملی مدد کروں..... اگر

¹ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: 362 (بحوالہ: Kaye, Volume II, Page 454-455)

مقامی حکومت کو کسی بھی وقت یہ محسوس ہوا کہ میں اس شرط کی پاسداری نہیں کر رہا تو وہ یہ معاہدہ ختم کر کے زمین واپس لینے کی مجاز ہے۔"¹

وفاداریاں خریدنے کی یہ روایت جاری رکھتے ہوئے، پہلی جنگِ عظیم کے دوران پنجاب کی سول انتظامیہ تاکہ اسے جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے افسروں میں تقسیم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ جنگ میں شریک ہر فوجی کے ماں باپ کو نقدی وغیرہ کی صورت میں انعامات دیئے جاتے، فوجیوں کی بیواؤں کو عام حالات سے کہیں زیادہ پنشن ملتی اور فوج میں بھرتی ہونے والے ہر فرد کو بھرتی ہوتے ہی پچاس (50) روپے بونس دیا جاتا تھا۔ نیز جو شخص اپنے جتنے زیادہ رشتہ داروں کو فوج میں بھرتی کرواتا، اسے ٹیکسوں میں اتنی ہی زیادہ چھوٹ ملتی۔ اسی طرح جس خان، ملک یا نواب کی قوم جنگ کے دوران زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کرتی، اسے اتنی ہی بڑی جاگیر اور القابات عطا کئے جاتے۔² باوجود اس کے کہ پہلی جنگِ عظیم میں مارے جانے یا معذور ہونے والے ہندوستانی فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچتی تھی اور ہندوستانی فوجیوں کو جنگ میں نہایت ہی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر بھی اس حقیر دنیاوی مال و متاع کی خاطر ہندوستان کے لاکھوں فوجی ایک بار بھر برطانیہ کے دفاع کی جنگ لڑنے میدان میں اتر آئے تھے۔ پس تنخواہ، ترقی، زمین اور پنشن ہی وہ بنیادی محرک تھے جن کی لالچ میں ہندوستانی فوج ڈیڑھ دو سو سال اپنے برطانوی آقاؤں کی خدمت کرتی رہی۔ نیز اس فوج میں سے بھی سب سے نمایاں کردار 'پنجاب کی کمان' نے ادا کیا جسے اپنی غیر معمولی وفاداری کی بدولت "برطانوی راج کے دائیں بازو" یا "Sword Arm of the British Raj"³ کا خطاب ملا۔

¹ دی گریزن سٹیٹ، صفحہ: 90-91

² دی گریزن سٹیٹ، صفحہ: 122

³ دی گریزن سٹیٹ، صفحہ: 301

پاکستانی فوج کی بعد از قیام پاکستان تاریخ

پاکستانی فوج کی تاسیس ثانی

14 اگست 1947ء کو پاکستان نامی ریاست دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی، جو مغربی ہندوستان کے پانچ مسلم اکثریتی علاقوں (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر) کے علاوہ مشرقی ہندوستان کے خطہء بنگال پر مشتمل تھی۔ اگرچہ برصغیر کے عام مسلمانوں نے قیام پاکستان کے لئے قربانیاں اس اُمید سے دی تھیں کہ 'لا الہ الا اللہ' کی حکومت قائم ہوگی؛ لیکن ایک تلخ حقیقت اس خواب کی تکمیل میں واضح طور پر حائل تھی۔ تقسیم کے فارمولے کے تحت پاکستان کے حصے میں جو فوج آئی تھی، وہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے نا آشنا وہی شاہی ہندی فوج تھی جو پورے دورِ غلامی میں مسلمانوں کا خون بہاتی اور برطانوی راج کا دفاع کرتی رہی تھی۔ اس پوری فوج اور اس کے اثاثوں کا چھتیس (36) فیصد حصہ پاکستان کو ملا، جس میں آٹھ (8) پیادہ رجمنٹیں، آٹھ (8) توپخانہ رجمنٹیں اور آٹھ (8) بکتر بند رجمنٹیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ کئی تربیتی مراکز اور کراچی اور چٹاگانگ میں واقع بحری تنصیبات بھی پاکستان کو دی گئیں۔¹ چنانچہ قیام پاکستان کے وقت ملک کا سب سے بڑا، منظم اور قومی ادارہ بھی فوج کا ادارہ تھا، جس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ آنے والے سالوں اور دہائیوں میں اسی ادارے نے اس ملک کی باگ دوڑ مکمل طور پر سنبھال لی اور قیام پاکستان سے قبل نافذ فرنگی نظام میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آنے دی۔

اگر قیام پاکستان کے بعد کچھ سنجیدہ اقدامات اٹھائے جاتے اور انگریز کی وفادار اس پوری فوج کو جڑ سے تبدیل کر دیا جاتا، اس کا تربیتی نصاب جید علمائے دین، سرحدی علاقہ جات میں موجود مجاہدین اور جدید عسکری ماہرین کی رہنمائی میں از سر نو ترتیب دیا جاتا، فوج کی مکمل تنظیم نو کی جاتی اور انگریز کے نمک خوار افسر طبقے کو نکال پھینکا جاتا تو شاید اس بات کا کوئی امکان ہوتا کہ یہ فوج 'ہماری فوج' بن

¹ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص 3

جائے۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہ ہو سکا، اور نہ ہی شاید اس سمت کچھ زیادہ سوچا گیا۔ نتیجتاً قیام پاکستان کے بعد بھی شاہی ہندی فوج بلا ترمیم و تطہیر برقرار رہی، البتہ اب خونِ مسلم میں لتھڑے ہاتھوں والی اسی فوج کو 'پاک فوج' کہا جانے لگا!

پاکستانی فوج کی اٹھان میں برطانیہ کا کردار

تقسیم ہند سے قبل انگریزوں کی فوجی قیادت مقامی فوجیوں کو بالعموم اعلیٰ عہدوں تک ترقی نہیں دیتی تھی، اس لئے پاکستانی فوج کو ابتدائی عرصے میں افسروں کی شدید کمی درپیش ہوئی۔ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی کمان سنبھالنے کے لئے صرف ڈھائی ہزار افسر میسر تھے، جبکہ ضرورت چار ہزار افسروں کی تھی۔ اس کمی کو برطانیہ، ہنگری اور پولینڈ کے افسروں نے پورا کیا، جن میں سے بعض 1950ء کی دہائی تک بھی موجود رہے۔ یہی نہیں بلکہ پہلے پانچ سال تو پاکستانی بری افواج کی قیادت اعلیٰ بھی انگریز افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ جنرل فرینک میسروی (Frank Messervy) تھا جو اگست 1947ء سے فروری 1948ء تک اپنے عہدے پر رہا، جبکہ دوسرا سربراہ جنرل ڈگلس ڈیوڈ گریسی (Douglas David Gracey) تھا جو فروری 1948ء سے جنوری 1951ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔¹ اسی طرح پاکستانی فوج کے نہایت اہم شعبے، ایس ایس جی (یا کمانڈو دستوں) کی ابتداء بھی 1950ء میں کوئٹہ کے 'Close Quarter Battle School' میں ایک برطانوی افسر کرنل گرانٹ ٹیلر کے ہاتھوں ہوئی۔² نیز فوجیوں کی تربیت کے لئے بھی انگریز کا بنایا ہوا 'رائل انڈین آرمی سروس کور سکول' کا کول 'بدستور استعمال ہوتا رہا، البتہ اس کا نام بدل کر اسے 'پاکستان ملٹری اکیڈمی کا کول' کہا جانے لگا۔ اعلیٰ افسران کی تربیت بھی برطانوی تربیتی ادارے 'کیمبرلی' کے طرز پر بنائے گئے، 'سٹاف کالج کوئٹہ' میں جاری رہی۔ اس کالج کی بنیاد لارڈ کچنر نے قبل از تقسیم ہند ڈالی تھی اور تقسیم کے بعد بھی

¹ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم 'از سٹیفن پی کوہن، ص 3؛ نیز دیکھئے: وکی پیڈیا، عنوان: پاکستان آرمی

² Taken from an Introductory & Propaganda video on SSG, produced by .ISPR

1954ء تک اس کی کمان برطانوی افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ اسی طرح توپ خانے کی تربیت کے لئے نوشہرہ میں جو 'آرٹلری سکول' قائم کیا گیا، اس کے اساتذہ کی تربیت بھی 1952ء تک برطانیہ میں ہوتی رہی اور اس کے بعد وہ تربیت کے لئے امریکہ کے فوجی مراکز فورٹ سل، اوکلاہوما جانے لگے۔¹

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ پہلے دو انگریز فوجی قائدین کے جانے کے بعد بھی جن لوگوں نے اس فوج کی قیادت سنبھالی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو براہ راست انگریز افسروں سے انہی کی اکیڈمیوں میں تربیت پا چکی تھی اور مختلف جنگوں میں انگریز سے وفاداری کا عملی ثبوت بھی دے چکی تھی۔ چنانچہ جنرل گریسی کے بعد فوج کی قیادت سنبھالنے والا پہلا پاکستانی جرنیل فیلڈ مارشل ایوب خان علی گڑھ سے پڑھنے کے بعد برطانیہ میں واقع مشہور فوجی اکیڈمی 'رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' (Royal Military College Sandhurst) میں داخل ہوا تھا۔ سینڈ ہرسٹ کی فوجی اکیڈمی میں کسی ہندوستانی کو داخلہ ملنا آسان کام نہ تھا۔ سٹیفن کوہن اسی بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"انگریز سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے افراد کا بے حد احتیاط سے چناؤ کرتے تھے اور وفادار ترین، معزز ترین اور سب سے زیادہ مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہندوستانی خاندانوں سے انتخاب کرتے تھے۔ پھر ان (خاندانوں) میں سے بھی، خصوصاً مسلمانوں میں سے، وہ ان وائسرائے کمیشنڈ افسروں (دی سی اوز) کے بیٹوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے جنہوں نے نمایاں کارکردگی دکھائی ہو۔"²

شاہی ہندی فوج میں شمولیت کے بعد ایوب خان نے جنگِ عظیم دوم میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور برما کے علاقے میانمار میں تعینات رہا۔ ایوب کے بعد جنرل موسیٰ خان نے فوج کی

¹ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص 77 تا 88

² پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص 57

قیادت سنبھالی۔ موسیٰ کا باپ افغانی تھا جو ترقی کرتا کرتا 'سینٹروی سی او' کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ باپ کی وفاداری کے صلے میں موسیٰ کو بھی 'رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' کے لئے چن لیا گیا، لیکن بعد میں بعض مسائل کی وجہ سے وہ وہاں نہ جاسکا اور اس نے شمالی ہندوستان میں واقع ایک اور برطانوی ادارے 'انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون' سے تربیت حاصل کی۔ 1936ء میں موسیٰ نے بطور کپتان وزیرستان میں مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن میں شرکت کی۔ آج بھی شمالی وزیرستان کے علاقے 'بویا' کی پہاڑیوں پر واقع ایک فوجی چوکی کے ساتھ موسیٰ خان کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ موسیٰ کے بعد 1966ء سے 1971ء تک جنرل یحییٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ اس نے بھی 'انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون' سے تربیت حاصل کی اور جنگِ عظیم دوم کے دوران اٹلی اور مشرق وسطیٰ میں تعینات رہا۔ جنرل ضیاء الحق، جو 1976ء سے 1988ء تک اس ملک کے سیاہ و سپید کا مالک رہا، بھی براہ راست برطانوی افسروں سے تربیت یافتہ تھا۔ ضیاء نے ابتدائی فوجی تربیت دہرہ دون سے حاصل کی اور دوسری جنگِ عظیم کے اواخر میں جنوب مشرقی ایشیاء میں برطانوی کمان تلے اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے اس نے "امریکی کمانڈ اینڈ جنرل اسٹاف کالج فورٹ لیون ور تھ، کینسس"¹ (امریکہ) کا رخ کیا۔ 60ء کی دہائی کے اواخر میں ضیاء کو اردنی فوج کی تربیت پر مامور کیا گیا۔ 1970ء میں جب اردنی فوج نے اردن میں پناہ لینے والے فلسطینی مہاجرین کے خلاف فوجی آپریشن کا آغاز کیا تو یہی ضیاء الحق تھا جس نے بطور برگیڈیئر اردن کی 'دوسری فوجی ڈویژن' کی کمان سنبھالی اور ہزار ہا فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ فلسطینی ذرائع کے مطابق اس کارروائی کے دوران 25,000 کے قریب بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید کیے گئے۔ برطانوی اکیڈمیوں میں تربیت پانے والی اس نسل کا آخری اعلیٰ افسر جنرل آصف نواز جنجوعہ تھا۔ جنرل آصف نواز 1991ء سے 1993ء کے دوران پاکستانی بری فوج کا سربراہ رہا۔ اس نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں واقع سینٹ میری مشنری سکول سے حاصل کی اور ایک موقع پر خود اس بات کا اظہار کیا کہ اس کی پرورش میں سب سے اہم کردار، سکول کے کے دوپور پی اساتذہ، پادری برنز اور میڈم مے فلینگن کا تھا۔ آصف نواز نے بھی

¹ (US Army Command & General Staff College Fort Leaven worth, Kansas)

ابتدائی فوجی تربیت برطانیہ کے علاقے سینڈ ہرسٹ میں واقع فوجی اکیڈمی سے حاصل کی تھی۔¹ گویا پانچ سال برطانوی افسروں کی زیرِ کمان رہنے کے بعد تقریباً 42 سال یہ فوج برطانیہ کے منتخب کردہ اور برطانویوں سے تربیت یافتہ افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ چنانچہ وہی فوجی طبقہ جس کی مدد سے برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک صدی سے زائد عرصہ غلام بنائے رکھا اور جس کے بل پر ہندوستان میں جڑ پکڑنے والی ہر جہادی تحریک کو کچلا گیا، 'آزادی' کے بعد بس وہی بد بخت طبقہ آزاد ہوا، جبکہ باقی سب مسلمان، خصوصاً علماء و مجاہدین، ان غداروں کی غلامی تلے رہنے پر مجبور ہوئے۔ تحریکِ مجاہدین کے سرفروش تو پاکستان بننے کے بعد بھی 'دشمن' ہی سمجھے جاتے رہے اور اس فوج نے ان کا تعاقب اسی طرح جاری رکھا جیسے وہ قبل از قیام پاکستان کیا کرتی تھی۔ ایک طرف قبائلی علاقہ جات میں اپنی فقیر اور دیگر جہادی قائدین کا پیچھا کیا گیا اور ان کے اجتماعات پر بمباری کی گئی، تو دوسری طرف پاکستان کے شہری علاقوں میں بھی تحریک سے منسلک افراد کا تعاقب جاری رہا۔

ڈاکٹر صادق حسین اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو مجاہدین پاکستان واپس آ گئے، وہ یا تو عسرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے ولولہء جہاد کی سرگزشتوں کو سینوں میں دبائے ہوئے راہیء ملکِ عدم ہوئے، یا حکومتِ پاکستان کی پولیس کی نگرانی میں زندگی کے ایام گزارتے رہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ انگریزی حکومت سے برسرِ جنگ رہتے تھے، اس لئے اب بھی دشمن ہی سمجھے جاتے تھے۔"²

پس چونکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس فوج کا نصابِ تربیت تبدیل نہیں کیا گیا، لہذا فوج میں 'دوست' اور 'دشمن' کی تعریف بھی بنیادی طور پر وہی رہی جو اسے برطانیہ نے قبل از قیام پاکستان سکھائی تھی۔

¹ 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص 57۔ نیز دیکھیے: انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سافٹ ویئر 10؛ اور ویکی پیڈیا، عنوانات: جنرل موسیٰ خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل آصف نواز، اردن میں سیاہ ستمبر۔

² سید احمد شہید اور ان کی تحریکِ مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص 769

پاکستانی فوج کی اٹھان میں امریکہ کا کردار¹

انگریز سے براہ راست فیض یافتہ اس نسل کے زیر سایہ ایک اور فوجی نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ اس نسل کی تربیت میں دو عناصر اپنی گہری چھاپ چھوڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو پہلی نسل کے فوجی افسران وہ سارے علوم و فیوض منتقل ان تک منتقل کر رہے تھے جو انہیں برطانوی افسروں سے ورثے میں ملے تھے۔ جبکہ دوسری طرف پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت امریکہ سے پیٹنگیں بڑھانے میں مصروف تھی۔ امریکہ نے برطانیہ کے بطن ہی سے جنم لیا تھا اس لئے امریکہ نے پاکستان کو اپنے اتحادیوں میں شامل کرتے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ 1954ء میں پاکستان امریکہ کے ساتھ 'باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے' پر دستخط کیے جس کے بعد پاکستان کو امریکی امداد ملنے لگی۔ اس کے بعد 1955ء میں پاکستان نے سینٹو اور سینٹو میں شمولیت اختیار کر کے خود کو واضح طور پر امریکہ کا چھیتا اتحادی رہا اور امریکہ نے پاکستانی فوج کی تربیت پر بہت باریک بینی سے توجہ دی۔ پاکستانی فوج نے امریکی فوج کی تنظیمی ساخت سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ فوج میں کئی ایسی ڈویژنوں کا اضافہ ہوا جو مکمل طور پر امریکی اسلحے سے لیس اور امریکہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ پاکستان کے بہت سے اعلیٰ افسران تربیت حاصل کرنے امریکہ گئے۔ 1955ء سے 1958ء کے درمیان (یعنی محض تین سال کے عرصے میں) صرف توپ خانے کے شعبے سے ہی 200 افسر امریکہ گئے۔ نیز امریکی افسران خود بھی پاکستان آکر فوج کی تربیتی اکیڈمیوں میں پڑھاتے رہے اور انہوں نے ان اکیڈمیوں کے نصاب میں بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ پاکستانی افسران کو تربیت حاصل کرنے کے لئے برطانیہ اور دولت مشترکہ کے دیگر ممالک بھی بھیجا جاتا رہا۔ نتیجے میں ایک ایسی نسل وجود میں آئی جو اصلاً برطانوی تاریخ و مزاج کی حامل تھی، لیکن پر گہری امریکی چھاپ بھی موجود تھی۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن لکھتا ہے:

¹ 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص 65 سے ص 72

"امریکی فوجی ماہرین اسٹاف کالج کوئٹہ تک کے دورے وقتاً فوقتاً کرتے رہے، جو کہ پاکستان کا سب سے پرانا فوجی ادارہ ہے اور آج تک برطانوی خواص کا حامل ہے۔ یوں اس کالج کی تعلیم و تربیت میں امریکیوں کا اہم حصہ ہے۔ کالج کی اپنی مرتب کردہ تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ 1957ء میں امریکہ کی ایک جوہری جنگ کی ماہر ٹیم کا دورہ انتہائی سودمند ثابت ہوا اور پرانے نصاب میں ترمیم و نظر ثانی پر منتج ہوا۔"

اسی طرح 1956ء میں 'ایس ایس جی' کا رسمی قیام بھی امریکی خصوصی دستوں ((Special Ops. Force کی مدد سے عمل میں آیا، اور امریکی خصوصی دستوں کی طرز پر ایس ایس جی کو پروان چڑھایا گیا۔

1971ء کے بعد امریکہ کی توجہ ویتنام کی طرف پھر گئی اور پاکستان بھی وقتی طور پر اس کے اتحادیوں کی صف سے نکل گیا، لیکن 80ء کی دہائی کا آغاز ہوتے ہی امریکہ کو ایک بار پھر روسی خطرے سے نمٹنے کے لئے پاکستان کی ضرورت پڑی اور پاکستان بھی فوجی و غیر فوجی امداد کے دروازے کھلتے دیکھ کر خوشی خوشی امریکہ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بننے پر تیار ہو گیا۔ یوں پاکستانی فوج کو ایک بار پھر امریکی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد یہ سلسلہ پھر عارضی طور پر کمزور پڑا، لیکن گیارہ ستمبر 2001ء کے واقعات کے بعد پاکستان دوبارہ امریکہ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بن گیا اور اس کی یہ حیثیت تاحال برقرار ہے۔ اس پورے عرصے میں افسروں کی جو دوسری نسل تیار ہوئی، وہ برطانیہ کے ساتھ اپنے نئے آقا امریکہ کی بھی وفادار تھی، بلکہ کئی اعتبار سے امریکہ کے زیادہ قریب تھی۔ پرویز مشرف کا تعلق اسی نسل سے ہے۔ وہ امریکی اثرات کے حامل 'سٹاف کالج کوئٹہ' سے پڑھنے کے بعد برطانیہ کے 'رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز، لندن' سے پڑھا اور 1998ء میں پاکستان فوج کا سربراہ بن کر نو سال امریکی مفادات کی خدمت کرنے میں مصروف رہا۔

پاکستانی فوج کی اٹھان میں اسلام کا کردار

ایک بات تو بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کے نظریات و عقائد کی تشکیل میں اسلام کا سرے سے کوئی کردار نہیں رہا۔ ہاں، البتہ قیامِ پاکستان کے بعد اتنی تبدیلی ضرور آئی ہے کہ فوج نے اپنے سپاہیوں اور افسروں کے جذبات ابھارنے اور انہیں لڑنے کا جذبہ دینے کے لئے اسلام کو نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا ہے۔ فوج کے نظریات کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش زیادہ تر ضیاء دور میں ہوئی ہیں، جس کے نمونے پروفیسر کرنل عبدالقیوم کی تصنیف: 'On striving to be a Muslim' اور برگڈیز ایس کے ملک کی تصنیف 'The Quranic Concept of War' کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اور ایسی دیگر تحریرات تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے والے علماء نے نہیں لکھیں، بلکہ خود فوج ہی کے افسران نے لکھی ہیں۔ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ کسی انفرادی فوجی کی نیک نیتی پر مبنی کوشش ہو۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب اور اس سے مشابہ تمام کاوشیں فوج کے اساسی نظریات و عقائد اور اس کے طور طریقوں میں کسی قسم کی جوہری تبدیلی لائے بغیر ہی ایک فوجی کو یہ باور کرا دیتی ہیں کہ وہ جہاد جیسی اعلیٰ عبادت میں مصروف ہے، اس پر اس کے افسر کے ہر حکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اگر وہ مارا جائے تو وہ شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہو گا۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں جہاد کی تعریف کیا ہے؟ وطن کی خاطر لڑنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جہاد کے شرعی مقاصد ہوتے ہیں؟ ایک مسلمان کا دوست کون ہوتا ہے اور دشمن کون؟ اطاعتِ امیر کی حدود کیا ہیں اور کن حالتوں میں امیر کا حکم ماننا جائز نہیں رہتا؟ شہید کی شرعی تعریف کیا ہے؟ شہادت کی قبولیت کی کیا شرائط ہیں؟ شریعت نے جنگ کے کیا آداب و ضوابط مقرر کئے ہیں؟ ان سب سوالات کو اٹھانے اور ان کا درست شرعی جواب دینے سے مکمل گریز کیا جاتا ہے۔ مثلاً، یہ بات پورے دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کا کوئی افسر و جوان یہ بات نہیں جانتا کہ جہاد کا بنیادی مقصد 'اعلائے کلمۃ اللہ' ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ توحید کا کلمہ بلند کیا جائے، شرک کا کاتمہ کیا جائے، شریعت نافذ کی جائے اور کافروں کے غلبے و بالا دستی کو مٹا ڈالا جائے۔ انہی بنیادی شرعی مفاہیم سے جہالت کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی فوج کے افسران کبھی بنگال کے

مسلمانوں کو ذبح کرتے ہوئے احد و بدر کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں، تو کبھی عرب مجاہدین کا لہو بہانے والے سپاہیوں کو مجاہد گردانتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ 71ء کے سانحے کے دوران جنرل ٹکا خان نے مشرقی گیریزن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"جہاد اور اسلام سے وابستگی کی بناء پر ہی مٹھی بھر مسلمانوں نے مضبوط ترین مخالفین کو شکست سے دوچار کیا۔ بدر، احد، خیبر اور دمشق کی جنگیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمان کیا کر سکتے ہیں!"¹

اسی طرح، 2004ء میں وانا (وزیرستان) میں عرب و عجم کے مہاجر مجاہدین کے خلاف لڑائی میں مصروف فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے برگڈیر جنٹک نے کہا:

"اصل مجاہد میرے لڑکے ہیں، اصل مجاہد تم لوگ ہو!"

لہذا یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ فوج آج بھی اپنے بنیادی نظریات اور فکر و فلسفے کے اعتبار سے سینڈ ہرسٹ اور دہرہ دون کی فوجی اکیڈمیوں سے تربیت یافتہ وہی شاہی ہندی فوج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس کے اسلامی جذبے کی تسکین کے لئے اس کی بیرکوں کو 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' جیسے اسلامی نعروں سے مزین کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ آج بھی ان تینوں چیزوں سے اتنی ہی دور ہے جتنی 1857ء میں تھی۔ بلکہ یہ بات تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ اب انہی کفریہ مقاصد کے حصول کے لئے یہ فوج دینی جذبے سے لڑ رہی ہے!

فوج کے اصل نظریے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن صراحت سے لکھتا ہے:

"آزادی حاصل کرنے والی تمام مسلمان مملکتوں کو مغربی تربیت یافتہ افواج ورثے میں ملیں..... چنانچہ (یہ فوج) کلازوٹ، لڈل ہارٹ اور شیلنگ کے نظریات ترک کرنے

¹ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص 94

سے ہچکچاتی ہیں۔ پاکستان آرمی کے بیشتر افسران بھی ان نظریات کو ترک نہیں کریں گے۔¹

1971ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کا کردار

1971ء کی جنگ نے پاکستانی فوج کی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کیا۔ اس جنگ میں رونما ہونے والے تکلیف دہ واقعات اس بات کی بین دلیل تھے کہ قیام پاکستان کے چوبیس سال گزر جانے کے بعد بھی فوج کی ذہنیت ذرہ برابر نہیں بدلی تھی۔ انگریزوں نے مغربی ہندوستان کے فوجیوں کو پہلی مرتبہ تبھی استعمال کیا تھا جب اسے 1857ء میں بنگال سے پھوٹنے والی بغاوت کچلنا تھی۔ 1971ء میں اہل بنگال پر توڑے جانے والے مظالم بھی درحقیقت نفرت و تعصب کے انہی جذبات کا شاخسانہ تھے جو انگریزوں نے اس فوج کے خمیر میں 1857ء میں ڈال دیئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی فوج کی قیادت نے اپنا نظام انہی جاہلانہ تعصبات کی روشنی میں چلایا جو انگریزوں نے اس کے دل و دماغ میں راسخ کیے تھے۔ پاکستانی فوج میں مختلف قومیتوں کا تناسب کم و بیش وہی رہا جو قبل از قیام پاکستان تھا۔ عسکری امور کی تجزیہ نگار عائشہ صدیقہ، قیام پاکستان کے ساٹھ سال بعد، سن 2007ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ انکشاف کرتی ہے کہ پاکستانی فوج میں اب بھی فوجیوں کی غالب اکثریت، (یعنی 71 فیصد) کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے، جبکہ سرحد سے 12 فیصد، آزاد کشمیر سے 9 فیصد، سندھ سے 4 فیصد، شمالی علاقہ جات سے 3 فیصد اور بلوچستان سے ایک سے بھی کم فیصد فوجی تعلق رکھتے ہیں۔ پھر سندھ سے بھرتی کیے جانے والے فوجیوں میں سے بھی اسی فیصد سے زائد کا تعلق کراچی اور حیدرآباد سے ہوتا ہے، جبکہ سندھ کے باقی تمام علاقوں کو نہ ہونے کے برابر نمائندگی ملتی ہے۔² نیز سٹیفن کوہن 1998ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ بات

¹ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص 107

² Military INC., Inside Pakistan's Military Economy, by Ayesha Siddiq, Pages:213 to 216.

واضح کرتا ہے کہ پاکستانی فوج اب بھی 'جنگجو نسلوں' کے اس خرافاتی فلسفے پر قائم ہے جو انگریز نے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل وضع کیا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک بھرتی کے وقت 75 فیصد فوجی پنجاب و سرحد کے ان پانچ اضلاع سے لئے جاتے ہیں جہاں انگریز کی چنیدہ جنگجو نسلیں پائی جاتی ہیں۔¹

پاکستان کی فوجی قیادت اور بیوروکریسی کے اسی متعصبانہ رویے کے سبب بلوچستان، سندھ، سرحد اور جنوبی پنجاب میں علیحدگی پسند تحریکوں نے جنم لیا؛ اور انہی تعصبات کے سبب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا۔

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے فوج نہ صرف 'جنگجو نسلوں' کے خرافاتی فلسفے پر قائم رہی، بلکہ اس نے بنگالی مسلمانوں کی طرف حقارت سے دیکھنے اور انہیں دبا کر رکھنے کا وہ مکروہ رویہ بھی اپنائے رکھا جو اسے 1857ء کے بعد اپنے آقاؤں سے ورثے میں ملا تھا۔ جنگ کے بعد بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کے مظالم کی جانچ پڑتال اور جنگ میں ناکامی کے ذمہ دار افراد کی نشاندہی کے لئے چیف جسٹس پاکستان جسٹس حمود الرحمان کی سربراہی میں ایک کمیشن ترتیب دیا گیا۔ کمیشن کے ممبران میں سندھ اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ اس کمیشن نے سینکڑوں گواہوں کے بیانات سننے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جو اس فوج کی مکروہ حرکتوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اگرچہ یہ کمیشن اپنی تحقیقات کو منطقی انجام تک پہنچانے سے قبل خود اپنے متوقع انجام سے دوچار ہو گیا، لیکن اسکی رپورٹ ہر پاکستانی کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

¹ 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم' از سٹیفن پی کوہن، ص 41

71ء میں بھارت کے خلاف فوج کا 'جہاد'¹

1971ء کے واقعات نے پاکستانی فوج کی مزعومہ عسکری قابلیت کی قلعی کھول دی۔ بہت سے اعلیٰ افسران کا حال یہ تھا کہ وہ بھارتی فوج کی پیش قدمی کا سنتے ہی اپنے ماتحتوں کو میدان جنگ کے بیچ چھوڑ کر غائب ہو جاتے۔ 8 دسمبر 1971ء کو میجر جنرل رحیم خان چاند پور میں تعینات اپنی ڈویژن کو چھوڑ کر تنہا فرار ہو گیا، حالانکہ ابھی بھارتی فوج کا حملہ شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح نویں ڈویژن کی 107 ویں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر محمد حیات تک جب یہ خبر پہنچی کہ بھارتی ٹینک جیسور کے دفاعی حصار کو توڑ کر آگے بڑھ رہے ہیں، تو اس نے خبر کی مزید تصدیق کرنے کی بھی زحمت نہ کی اور 6 دسمبر 1971ء کو جیسور کا قلعہ چھوڑ کر اکیلا فرار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیچھے رہ جانے والے دیگر افسر و سپاہی بھی بد نظمی کے ساتھ پسپا ہوئے اور نہ صرف یہ اہم قلعہ، بلکہ اس میں موجود اسلحے کا تمام تر ذخیرہ بھی بلا مزاحمت بھارتی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ 39 ویں ڈویژن کی 53 ویں بریگیڈ کا کمانڈر، بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی، 9 دسمبر 1971ء کو لکشمی قلعے میں 123 زخمی فوجیوں اور تمام تر بھاری اسلحے اور ذخائر کو پیچھے چھوڑ کر قلعے سے بھاگ گیا اور یہ سب کچھ بھی بلا کسی مزاحمت بھارتی فوج کے ہاتھ لگا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان کے محاذ پر 15 ویں ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل عابد کھان نے بلا مزاحمت ضلع سیالکوٹ کے 98 دیہات بھارتی فوج کے قبضے میں جانے دئے۔ اسی طرح فوج کی پہلی کور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان نے بھی ضلع سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے پانچ سو (500) دیہاتوں پر بھارتی فوج کو بغیر لڑے قبضہ کرنے دیا۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے قائد اعلیٰ جنرل اے کے نیازی کا اپنا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ ڈھاکہ میں چھبیس ہزار (26,000) فوجیوں پر مشتمل ایک مضبوط دفاعی قوت اور اسلحے و خوراک کے مناسب ذخائر موجود تھے، لیکن محض یہ جان کر کہ بھارتی فوج ایک ہفتے بعد ڈھاکہ پر حملے کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، جنرل نیازی کے ہاتھ پاؤں اس بری طرح پھول گئے کہ نہ صرف اس نے بھارتی فوج کے

¹ اس عنوان اور اس سے اگلے عنوان تلے جو معلومات دی گئی ہیں، تقریباً وہ تمام ہی حمود الرحمن کمیشن رپورٹ سے اخذ کی گئی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اس رپورٹ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

کمانڈر ان چیف کو یہ پیغام بھیج دیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے، بلکہ اس پر بھی راضی ہو گیا کہ وہ ایک عوامی مقام پر مکتی باہنی کے کارکنوں اور بھارتی فوجیوں کی موجودگی میں جنرل اروڑا کے سامنے بذاتِ خود ہتھیار ڈالے گا۔ یہی نہیں، بلکہ وہ جنرل اروڑا کا استقبال کرنے خود ایئر پورٹ گیا اور اپنے اے ڈی سی کو حکم دیا کہ پاکستانی فوجی جنرل اروڑا کو سلامی پیش کریں۔ یوں مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار ایسا شرمناک موقع آیا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے نوے ہزار مسلح فوجیوں نے کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے!

71ء میں بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کا 'جہاد'

ایک طرف تو پاکستانی فوج نے مشرک کافروں کے مقابلے میں اس شرمناک بزدلی و بے حمیت کی مظاہرہ کیا؛ لیکن دوسری طرف پوری جنگ کے دوران یہی بد بخت فوج نہتے بنگالی مسلمانوں پر اپنی پوری قوت کے ساتھ یوں ٹوٹی گویا اس کا اصل 'جہاد' یہی ہو۔ 25 اور 26 دسمبر کی رات کو ڈھاکہ شہر پر بھاری توپخانے سے وحشیانہ بمباری کر کے لاتعداد نہتے شہریوں کو شہید کیا گیا، ستمبر اور اکتوبر کے درمیان دھوم گھاٹ کے علاقے میں مقامی لوگوں کو قطار در قطار کھڑا کر کے فائرنگ سکواڈ کے ذریعے قتل کیا گیا، 28 مارچ 1971ء کو لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان کے حکم پر کو میلا چھاؤنی میں 17 بنگالی افسروں اور 915 بنگالی سپاہیوں کو ایک ہی دن میں مار ڈالا گیا، سلداناسی کے علاقے میں بھی 500 لوگوں کو قتل کیا گیا، نمایاں بنگالی مصنفین، ڈاکٹروں، انجینیئروں، پروفیسروں اور سیاست دانوں کو چن چن کر مارا گیا، الغرض اہل بنگال کے خلاف مظالم کی ایک سیاہ داستان رقم کی گئی۔ بنگلادیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس پوری جنگ کے دوران فوج نے 30 لاکھ بنگالی قتل کئے، جبکہ جی ایچ کیو نے 1972ء میں خود چھپیس ہزار (26,000) بنگالیوں کے قتل تسلیم کئے تھے۔ بنگلادیشی حکومت کا یہ دعویٰ اگرچہ مبالغہ پر مبنی لگتا ہے، لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ مارے جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی؛ اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ حمود الرحمان کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے ایک گواہ برگیڈیئر اقبال الرحمان شریف کے

مطابق، پاکستانی فوج کا ایک نہایت اعلیٰ عہدیدار جنرل گل حسن فوجی مراکز کے دوروں کے دوران سپاہیوں سے پوچھا کرتا تھا کہ:

“How many Bengalis have you shot?”

”تم نے کتنے بنگالی مارے ہیں؟“

بنگال میں اس فوج کے جرائم یہیں تک محدود نہ رہے، بلکہ 1857ء کی تاریخ دہراتے ہوئے ان بدبختوں نے بہت سی بنگالی بہنوں کی عصمت دری بھی کی۔ بنگلہ دیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ کل 2 لاکھ خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ عصمت دری کے واقعات اتنے عام تھے کہ ہر افسر و سپاہی ان سے واقف تھا اور ایک بہت بڑی تعداد ان میں باقاعدہ ملوث بھی تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان نے حمود الرحمان کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ فوجیوں میں یہ جملہ عام تھا کہ:

When the Commander (Lt. Gen. Niazi) was himself a “
”raper, how could we be stopped

”جب ہمارا کمانڈر (جنرل نیازی) خود عزتیں لوٹتا تھا، تو پھر ہمیں کیسے روکا جاسکتا تھا؟“!

اخلاقی انحطاط کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ عین جنگ کے دوران بھی فوجی افسران اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ میجر منور خان نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ 11 اور 12 دسمبر کی درمیانی شب جب مقبول پور سیکٹر میں بھارتی فوج کے گولے پاکستانی مورچوں پر گر رہے تھے، عین اس وقت بھی برگڈیر حیات اللہ کے زیر زمین مورچے میں ایک بدکار عورت اس کے ساتھ موجود تھی۔

اسی طرح بنگالی مسلمانوں کے اموال بھی فوج کی دست برد سے نہ بچ سکے۔ جنرل راؤ فرمان علی کی گواہی کے مطابق جنرل نیازی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان سنبھالنے کے فوری بعد کہا کہ:

"میں راشن کی کمی کا ذکر کیوں سن رہا ہوں؟ کیا اس علاقے کے لوگوں کے پاس گائے بکریاں نہیں ہیں؟ یہ دشمن کی سر زمین ہے، جو جی چاہے چھین لو! ہم (دوسری جنگِ عظیم کے دوران) برما میں یہی کرتے تھے۔"

جرنیلوں کی اسی تحریض کا نتیجہ تھا کہ فوج کے افسر و سپاہی سرچ آپریشنوں کے دوران خوب لوٹ مار کرتے۔ بعض مرتبہ جب بیرکوں کی تلاشی لی گئی تو (حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے مطابق) وہاں سے ٹی وی، فریج، ایئر کنڈیشنر، ٹائپ رائٹر، سونا، گھڑیاں اور بہت سی دیگر قیمتی اشیاء برآمد ہوئیں۔ ایک موقع پر 57 ویں برگائیڈ کے کمانڈر برگائیڈ جہانزیب ارباب، چار کرنل سطح کے افسران اور ایک میجر نے ایک مشترکہ منصوبے کے تحت سراج گاج میں واقع نیشنل بینک کے خزانے سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ (1,3500,000) روپے چرائے۔ اس چوری کا راز تب کھلا جب راستے میں پکسی پل پر تعینات ایک 'بے سی او' نے اتفاقاً چوری کا مال لے جانے والی گاڑی کی تلاشی لے لی۔ نیز جرنیل خود بھی اس لوٹ مار اور مالی بد عنوانی میں شامل تھے۔ کرنل بشیر احمد خان کی گوہی کے مطابق میجر جنرل محمد جمشید کی بیوی ڈھاکہ سے فرار ہوتے ہوئے بہت سی چوری شدہ نقدی مغربی پاکستان لے کر گئی، جبکہ جنرل نیازی تو جنگ کرنے کی بجائے اس پورے عرصے پان کی اسمگلنگ میں مصروف رہا۔ ظاہر ہے کہ جن فوجیوں کے 'اسلاف' نے 1857ء میں دہلی کے مسلمانوں کے گھروں سے چار پائیاں تک چرائیں تھیں، اگر ان کے جانشین بھی ایسی خسیس حرکتوں میں ملوث پائے جائیں تو زیادہ حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

حاصل کلام

اگرچہ ابھی پاکستانی فوج کی تاریخ کے کئی دیگر سیاہ ابواب کا تذکرہ باقی ہے جو ان شاء اللہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے، لیکن جو نکتہ یہاں سمجھانا مقصود تھا، امید ہے کہ وہ اب تک کی تفصیل سے بخوبی واضح ہو گیا ہو گا۔ فوج کی تاریخ و نظریات جان لینے کے بعد یقیناً کوئی صاحبِ فہم شخص ایبٹ آباد، کراچی، اسلام آباد اور خروٹ آباد میں فوج کی بہیمانہ حرکات پر حیرت کا اظہار نہیں کرے گا۔ نہ ہی

اس پر حیرت کا اظہار کرے گا اگر ہم اسے بتائیں کہ اس فوج نے گزشتہ چار سالوں کے دوران سوات سے لے کر وزیرستان تک دس بیس نہیں، کئی سو مساجد و مدارس شہید کئے ہیں؛ لاکھوں مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ہے، جیٹ طیاروں اور توپخانے کی بمباری سے ہزار ہا معصوم لوگوں کو قتل کیا ہے، ڈرون حملوں کے لئے جاسوسی کر کے سینکڑوں مسلمانوں کا لہو بہانے میں براہ راست شرکت کی ہے، پوری پوری بستیوں کو جلا ڈالا گیا، بازاروں کو اجاڑا ہے، حق گو علمائے کرام کو برہنہ کر کے ان پر وحشیانہ تشدد کیا ہے، شریعت کے نام لیواؤں کو قطاروں میں کھڑا کرے گولیوں سے بھونا ہے، چادر و چاردیواری کی حرمت پامال کر کے مجاہدین کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اغواء کیا ہے، سوات، بونیر، درہ آدم خیل اور کئی دیگر علاقوں میں عام آبادی کے گھروں سے سامان لوٹ کر، ٹرکوں میں بھر بھر کر ساتھ لے کر گئے ہیں، امت کے مجاہد بیٹوں کو گلیوں اور چوکوں میں گھسیٹا ہے، آئی ایس آئی کے قید خانوں میں ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، حتیٰ کہ ان کو ذہنی اذیت دینے کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی تک کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

یقیناً ان میں سے کوئی بات بھی قابل حیرت نہیں۔ حیرت تو اس سادہ لوحی پر ہے جس کے سبب اب بھی کوئی صاحب ایمان شخص اس فوج کو اپنی فوج سمجھتا ہو اور اب بھی اس سے خیر کی امیدیں لگائے بیٹھا ہو۔ ایک ایسی فوج جسے برطانوی راج اپنا دایاں بازو قرار دیتا ہو، جس نے کبھی دہلی میں علماء و مجاہدین کا خون بہایا ہو تو کبھی سوات و قبائلی علاقہ جات میں، کبھی بنگال میں عزتیں پامال کی ہوں تو کبھی بلوچستان میں، کبھی انگریز کو بغداد فتح کر کے دیا ہو تو کبھی یہود کو فلسطین، کبھی خلافت عثمانیہ گرائی ہو تو کبھی افغانی امارت.....

ایسے بد بختوں کو اپنا سمجھنا یا ان سے کسی بھلائی کی امید لگانا چہ معنی دارد؟

یہ فوج تو میری اور آپ کی نہیں، انگریز کے مفادات کی محافظ ہے! انگریزی نظام کی محافظ ہے! انگریزی تہذیب کی محافظ ہے! میرے اور آپ کے دفاع میں لڑنے والے تو وہ گمنام مجاہدین ہیں جو

کل تک سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں لڑتے دکھائی دیتے تھے اور آج ملا عمر اور شیخ اسامہ کی قیادت میں۔ شاہی ہندی فوج اور سید احمد شہید کے جانشینوں کا معرکہ آج بھی جاری ہے.....

افغانستان و قبائل کے کوہ دامن میں، پنجاب کے میدانوں، سندھ کے ساحلوں اور بلوچستان کے ریگستانوں و پہاڑوں میں۔ دہلی و بنگال کے مسلمانوں کا مستقبل بھی اسی معرکہ سے وابستہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان تاخر اسان، ہر بندہ مومن دوست اور دشمن کو بخوبی پہچان لے، اپنے اور پرانے میں تمیز کر لے..... اور اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھتے ہوئے اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی نبھانے کا حق ادا کرے۔

اللہ ہمیں حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے؛ اور باطل کو پہچاننے اور اس سے بچنے کی توفیق دے، آمین!

اخوانکم فی الاسلام

<http://bab-ul-islam.net/forumdisplay.php?f=101>

انصار اللہ ویب سائٹ